اسلامی دارالافتار اور منصب مفتی
ایک تحقیقی مطالعہ

قسط ۲ ڈاکٹر نور احمد شاہتاز (کراچی یونیورسٹی)

افتار کی شرائط اور ممنوعات:

اس بات پر اصولیوں کا اجماع ہے کہ ثقہ و عادل عالم کو افتار کا اختیار ہے۔ جبکہ ائمہ اسلام نے ایسے شخص پر سخت ملامت کی ہے جو قلت علم یا ضعف دین یا دونوں کی موجودگی کے باوجود مسند افتار پر چڑھ بیٹھے (۱۵) اور ایسے شخص کی شدید مذمت کی ہے جو بلا اہلیت میدان افتار میں دم مارنے لگے اور لاعلمی کے باوجود فتویٰ صادر کرنے لگے۔ یا خلاف علم اپنی خواہش یا کسی دوسرے کی خواہش کے مطابق فتاویٰ جاری کردے یا سستی شہرت کی خاطر یوں فتویٰ دے کہ حلال کو حرام یا حرام و ناجائز کو حلال اور جائز بتلائے۔ یا کسی قول شاذ کو حجت قرار دے کر اس سے استدلال کرے اور اسی پر فتویٰ دے۔ مفتی کو چاہیئے کہ وہ سوال کا جواب دیتے وقت اس بات کا خیال رکھے کہ اس کا جواب اس حکم شرع میں اسی طرح ثابت شدہ ہے جیسا کہ وہ کہہ رہا ہے۔ یعنی مفتی کی حیثیت "جبکہ اس کا تعلق مجتہدین سے ہو" ایک ایسے مخبر کی ہوگی جو سائل کو قرآن وسنت سے اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق کتاب وسنت کا حکم سنا رہا ہو یا اس کی حیثیت ایسے مخبر کی ہوگی جو امام فی المذاہب کی فقہی آرار و نصوص سے مسائل کے سوال کا جواب اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق دے یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس کا تعلق مقلدین

سے ہو جیسے کوئی مجتہد سوائے اس کے کوئی جواب نہیں دے سکتا جو اس نے کتاب و سنت سے سیکھا ہے اسی طرح کوئی مقلد اس کے سوا کوئی جواب نہیں دے سکتا جو اس نے اکلامام فی المذہب کے مذہب سے سیکھا ہو۔ جس کا وہ مقلد ہے۔

اسی طرح جب کسی مفتی کو کسی استفتاء کے موضوع کے بارے میں مکمل معلومات مل جائیں اور وہ سوال کا حل یقین یا غلبۂ ظن کی بنا پر نکال لے تو پھر اس پر لازم ہے کہ وہ اس کے مطابق جواب دے اور سوال کا صحیح حل مل جانے اور استفسار کا درست جواب معلوم ہو جانے کے باوجود اس سے اغماض برتنا اور اس کے خلاف فتویٰ دینا حرام ہے ایسا کرنے والا شخص ان لوگوں کے زمرے میں شامل ہوگا جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ:

"یقولون علی اللہ ما لا یعلمون" نیز قل انما حرم ربی الفواحش.... الی قولہ تعالیٰ وان تقولوا علی اللہ ما لا تعلمون"

اور جب کسی نے علم کے خلاف فتویٰ دیا تو اس کا شمار ان لوگوں میں ہے جن کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے.... ویوم القیامۃ تری الذین کذبوا علی اللہ وجوھھم مسودۃ۔

اور اگر کسی میں وصف علم بغیر عدالت کے پایا جائے تو اسے بھی فتویٰ دینا جائز نہیں۔ کیونکہ اس کے اور فتویٰ کے درمیان فسق حائل ہے اور وہ اس لئے کہ فتویٰ کا تعلق امور دینیہ سے ہے جبکہ فاسق کی بات امور دین میں قابل قبول نہیں۔ (۱۶) بعض علماء کا کہنا ہے کہ یہاں فاسق سے مراد فاسق معلن اور متبدع ہے جس کا فتویٰ صحیح نہیں (۱۷) جیسے روافض کہ جو سلف صالح پر سب و شتم کرتے ہیں چنانچہ ان کے فتاویٰ مردود ہیں اور ان کے اقوال ساقط الاعتبار ہیں۔ جیسا کہ قرونی نے

صیمری کا قول "المجموع" میں نقل کیا ہے۔ (۱۸)

افتاء و استفتاء کا حکم :

ہر مسلم مرد و عورت کو ایسا کوئی بھی کام جو امور دین میں سے ہو شروع کرنے سے قبل سوچنا ہوگا کہ ان کا یہ عمل شرعاً حلال ہے یا حرام جائز ہے یا ناجائز؟ اگر انہیں اس کا علم ہے تو فبہا اور اگر وہ اس کا شرعی حکم نہیں جانتے تو انہیں کسی ایسے صاحب علم سے رجوع کرنا ہوگا جو فتویٰ دینے کا اہل اور مجاز ہو، بتقضائے امر الٰہی فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون۔

اس کے بعد ہی مزعومہ امر کو کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر وہ امر شرعاً جائز ہو تو اسے باطمینان قلب انجام دیا جائے گا اور اگر ممنوع یا ناجائز ہو تو اس سے اجتناب کیا جائے گا۔

اور جب کوئی مسلمان امور دینیہ کے سلسلہ میں کوئی سوال کسی ایسے عالم سے کرے کہ اس علاقہ　　　　میں اس کے سوا اور کوئی عالم نہ ہو تو اس عالم کو چاہیئے کہ وہ پوری احتیاط کے ساتھ ادلہ شرعیہ کے مقتضی کے عین مطابق اس سوال کا جواب دے کیونکہ ایسا کرنا شرعاً اس پر واجب ہے اور اگر اس علاقہ میں ایک سے زائد ایسے علماء ایک ہی مجلس میں موجود ہوں جو فتویٰ دینے کے اہل ہوں تو اب ان تمام پر اس کا جواب دینا فرض کفایہ ہے کہ ان میں سے اگر ایک بھی یہ ذمہ داری قبول کرلے تو تمام پر سے وجوب ساقط ہو جائے گا جیسا کہ دیگر فرائض کفایہ میں معروف ہے۔ لیکن اگر سائل کو ان میں سے صرف ایک ہی مفتی دستیاب ہو تو اس ایک پر اس کا جواب دینا فرض عین ہے۔

اور اگر سائل کے علاقہ میں صرف ایک متفقہ پایا جائے جو کہ مفتی ہونے کی استعداد (ABILITY) نہ ہو اور سائل کو باوجود تلاش بسیار کے کوئی مفتی نہ مل سکے تو اسے اس صورت میں اسی متفقہ

سے رجوع کرنا ہوگا اور اسی سے مسئلہ کا حل طلب کرنا ہوگا کہ ایسا کرنا کم از کم اس سے بہتر ہے کہ وہ بغیر شرعی حکم معلوم کئے شک وارتیاب کے عالم میں کسی امر پر عمل پیرا ہو اور سائل کا مسئلہ کے حل کے سلسلہ میں کوشش وکاوش کرنا باوجودیکہ اسے کوئی اہل علم نہ ملے یہ بھی تقویٰ کی وہ حد ہے جسے اللہ نے فاتقوا اللہ ما استطعتم فرمایا ہے۔ (۲۰)

اور مستفتی پر کسی ایسی جگہ کوئی افتاد آن پڑی کہ جہاں نہ تو کوئی مفتی، مجتہد ہے اور نہ مقلد، تو ایسی صورت میں اس سے اس افتاء کا شرعی حکم معلوم کرنے کی ذمہ داری ساقط ہو جائے گی اور یہ اس شخص کی مانند ہوگا جسے دعوت نہیں پہونچی۔ اگرچہ یہ دوسروں کی نسبت زیادہ مکلف ہے تاہم اسے اپنے ضمیر سے پوچھنا چاہیئے کہ فطرت سلیمہ اور ضمیر زندہ اسے حق کی طرف رہنمائی کریں گے (۲۱)

بعض علماء نے صراحت کی ہے کہ اگر کوئی عالم اس مخصوص صورت حال کا شرعی حکم نہ جانتا ہو جس سے سائل دوچار ہوا ہے تو عالم کو چاہیئے کہ وہ مستفتی کے سوال کا جواب نہ دے۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ واقعتاً استفسار کسی ایسی صورت سے متعلق ہو جو کہ حقیقتاً درپیش ہو مگر عموماً پیش نہ ہوتی ہو نہ کہ فقط کسی صورت کے امکانات سے متعلق ہو یا ناممکن الوقوع مسائل سے متعلق استفسار ہو۔ امام مالک سے بسا اوقات بعض مسائل کے بارے میں سوال کیا جاتا تو آپ فرماتے کیا یہ امر واقعتاً درپیش ہے؟ اگر کہا جاتا کہ ہاں تو جواب دیتے بصورت دیگر جواب نہ دیتے تھے اور یہ کہہ کر اسے چھوڑ دیتے کہ جب کوئی ایسی صورت پیش آئے گی تو اللہ تعالیٰ جواب بھی ارزاں فرمادیں گے۔

مفتی کی خوبیاں: مفتی کا منصب امور دین میں ایک اہم منصب اور حساس اجتماعی فریضہ اور سوشل ذمہ داری ہے جس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے حقیقی استعداد اور ظاہری و باطنی صفات سے متصف ہونا لازمی ہے۔

۱۔ مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اعلیٰ کردار کا مالک اور فسق و فجور کا باعث بننے والے امور سے کلیتاً مجتنب ہو۔

۲۔ عوام الناس کے نزدیک اس کی شہرت عمدہ ہو، حق پر ثابت قدم رہنے والا اور نرمی کے موقع پر نرمی اور سختی کے موقع پر سختی کرنے والا ہو۔

۳۔ بارعب اور پر وقار شخصیت کا مالک ہو۔

۴۔ صاحب بصیرت، سلیم العقل اور استنباط مسائل میں حسن تصرف کا مالک ہو۔

۵۔ لوگوں کے احوال سے واقف ہو اور ان کے مکر وفریب کو جانتا ہو۔ تاکہ حق و باطل کی تمیز کر سکے اور ظالم و مظلوم کو پہچان سکے۔

۶۔ وہ صرف اپنے ہی علم پر تکیہ کرنے والا نہ ہو بلکہ اپنے ہم مجلسوں سے مشورہ بھی کرتا ہو اگرچہ اس کے ہم مجلس اس سے علم میں نسبتاً کم ہوں۔ کیونکہ عین ممکن ہے کہ اس طرح کوئی ایسی صورت اس پر ظاہر ہو جائے جو اس وقت اس کے ذہن سے اوجھل ہو اور مشورہ کر لینا سلف صالحین کی اتباع بھی ہے۔ ماسوا ان امور کے جن کا پوشیدہ رکھنا مطلوب ہو یا جن کے افشار سے فساد کا خطرہ یا آداب معاشرت کے خلاف لازم آتا ہو۔

۷۔ اسے اپنے علم اور مفتی کے اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کا گھمنڈ نہ ہو بلکہ وہ امور مسؤلہ میں اللہ علیم و خبیر سے مدد و نصرت کا طلبگار رہے اور یہ التجا کرتا رہے کہ رب کریم اسے مسئلہ کے صحیح ترین حل تک پہنچنے میں رہنمائی فرمائے۔ ابن قیم کہتے ہیں کہ وہ جب بھی اللہ کے دروازے پر دستک دے گا تو گویا توفیق کا دروازہ کھٹکھٹائے گا۔ (۲۳)

۸۔ لباس و پوشاک میں نظافت پسند ہو۔ کبھی بھی غیر شرعی وضع قطع کے ساتھ گھر سے نہ نکلے، القرافی کہتے ہیں کہ عامۃ الناس ظاہری شکل و صورت، وضع قطع کا بہت اثر لیتے ہیں اور اگر مفتی کا وقار و احترام ان کے دل میں نہ ہوگا تو وہ نہ تو اس کے فتاویٰ کو اہمیت دیں گے اور نہ شرعی مسائل کے سلسلے میں اس سے رجوع ہوں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں ایک ایسے قاری کو پسند کرتا ہوں جو سفید لباس

میں ملبوس ہو تاکہ وہ لوگوں کی نظروں میں باوقار ٹھہرے اور دین جو کچھ علوم حقہ میں سے اس کے پاس ہے اس کی بھی قدر و منزلت ہو۔ (۲۴)

ابو عبداللہ ابن بطہ اپنی کتاب "الخلع" میں امام احمد بن حنبل سے روایت کرتے ہیں کہ امام احمد فرماتے تھے کہ کوئی شخص منصب مفتی کا اہل نہیں جب تک اس میں پانچ خوبیاں نہ ہوں:

۱۔ نیک نیت ہو۔

۲۔ اس میں علم و حلم اور وقار و سکون ہو۔

۳۔ ہیبت و وقار ہو، ورنہ عوام اسے چبا ڈالیں گے۔

۴۔ علم میں پختہ اور عزم میں قوی ہو۔

۵۔ لوگوں کے احوال سے واقفیت رکھتا ہو۔

ان خوبیوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ابن قیم کہتے ہیں کہ یہ پانچ خوبیاں مفتی کی اصل اور اساس ہیں، ان میں سے کوئی بھی کم ہوگی تو مفتی میں اسی حساب سے اتنی ہی کمی یا نقص پایا جائے گا۔

فتویٰ کے سلسلہ میں مفتی کو کیا کیا کوششیں کرنی چاہئیں:

مفتی کے پاس جیسے ہی کوئی سوال آئے تو اسے اس کا جواب دینے میں جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرنا چاہیئے بلکہ اس کے اور مستفتی کے مفاد میں یہ ہے کہ مفتی اس سوال پر خوب غور و فکر کے لئے کافی وقت دے اور اس کے تمام اجزاء و عناصر پر اول سے آخر تک گہری نظر ڈالے تاکہ فتویٰ دینے میں کہیں کوئی تساہل اس سے منسوب کرکے اسے ... کی صف میں اور ایسے لوگوں کے زمرے میں اسے شامل نہ کر دیا جائے جن کے تساہل ...

اعتبار نہیں چنانچہ ایسے مندرجہ ذیل کوششیں فتویٰ دیتے وقت کرنی چاہئیں۔

۱۔ فتویٰ تحریر کرنے سے قبل مستفتی کے سوال کو غور سے پڑھا جائے اور اس کے الفاظ پر غور کر کے جواب اس کے الفاظ کے مطابق لکھا جائے کیونکہ مستفتی اگر پڑھا لکھا نہیں تو اس کے الفاظ کا صحیح مفہوم ممکن ہے مفتی سرسری نظر سے نہ جان سکے یا یہ کہ جو الفاظ سائل نے استعمال کئے ہیں عرف عام میں ان کا مفہوم کچھ اور ہوتا ہو۔ چنانچہ مفتی کو جواب میں ایسے ہی الفاظ استعمال کرنے چاہئیں جو معروف ہوں اور جن سے سوال کا واضح اور صحیح جواب مستفتی کے سمجھ میں آسکے۔ اور اگر مفتی بلا غور وخوض اور الفاظ میں تامل کے بغیر فتویٰ نویسی شروع کردے گا تو یہ فتویٰ خلاف شرع ہوگا کہ مستفتی کا مافی الضمیر سمجھے بغیر لکھا گیا۔ (۲۵)

۲۔ مفتی کا جواب خلاف واقع نہ ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ مفتی سائل سے اس کے شہر یا گاؤں کے بارے میں معلومات حاصل کرے اور جواب اسی کے شہر و گاؤں کے عرف کے مطابق دے کہ مختلف علاقوں میں عرف مختلف ہوسکتے ہیں لہٰذا مفتی عرف کا لحاظ رکھے اور اپنے ہی شہر کے عرف کے مطابق فتویٰ نہ دے کہ ہر شہر کا عرف خاص حکم شرعی رکھتا ہے (۲۶)

۳۔ جواب مستفتی کی غرض وغایت سمجھنے کے بعد لکھا جائے اور تفصیلات جاننے کے لئے اس سے استفسار کیا جائے تاکہ موضوع کی وضاحت ہوسکے اور اگر موضوع کی تفصیلات جاننا ضروری ہوں تو یہ تفصیلات جاننے کے بعد ہی جواب تحریر کیا جائے تاکہ ہر طرح کے احتمالات واشکالات سے پاک جواب لکھا جاسکے (۲۷)

۴۔ مفتی کا جواب حق وصواب کے مطابق ہو۔ تاکہ مستفتی کو اس کے نتیجہ میں کسی ملامت وعتاب کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ مفتی کو سوال کی اچھی طرح چھان پھٹک کرنی چاہیئے کیونکہ

ہر سائل کی نیت واقعتاً اس کا جواب حاصل کرنے کی نہیں ہوتی بلکہ ایسے سائل بھی ہوتے ہیں جو اس سوال کے جواب کے نتیجہ میں اپنا کوئی اور الو سیدھا کرنا چاہتے ہیں۔ یا مفتی کو الجھانا مقصود ہوتا ہے یا اس کے ذریعہ اپنے دیگر مقاصد کی تکمیل مقصود ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر سائل کے سوال کو حسن نیت پر بھی محمول نہیں کیا جا سکتا۔ مفتی اگر ان امور کا خیال کئے بغیر فتویٰ دے گا تو خود بھی گرفتار بلا ہوگا اور دوسروں کو بھی مبتلائے عذاب کرے گا۔ اس صورتحال کو حسب ذیل مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔

کبھی مفتی کے پاس ایسا سوال بھی آسکتا ہے جو دو ایسے مسائل پر مشتمل ہو کہ جن کی صورت ایک جیسی ہو مگر حکم مختلف ہو۔ اور یوں ان میں سے ایک تو صحیح وجائز کے قبیل سے ہو جبکہ دوسرا باطل و حرام کے قبیل سے اور اس کی وجہ پہلے اور دوسرے مسئلہ کی حقیقت میں اختلاف پایا جانا ہو۔ اب اگر مفتی ذہانت سے کام نہ لے اور اس کی نظر صرف ایک ہی صورت پر ہو تو وہ ان دونوں کی حقیقت سے تجاہل کی بناء پر دونوں پر ایک ہی حکم لگائے گا اور یوں حکم صحیح کے مخالف فتویٰ دے ڈالے گا کیونکہ اس نے ان دو امور کو جمع کر دیا جن میں اللہ نے فرق رکھا ہے۔

کبھی مفتی کے پاس ایسا سوال آسکتا ہے جو دو ایسے مسائل پر مشتمل ہو کہ جن کی صورت مختلف ہو مگر حکم ایک ہی ہو کہ دراصل ان کی حقیقت ایک ہی ہے اور اگر مفتی ذہانت سے کام نہ لے اور اس کی نظر ایک ہی صورت پر ہو اور وہ دونوں مسائل کو نفس حقیقت میں ایک سا نہ سمجھ سکے تو وہ ایک مسئلہ پر ایک حکم اور دوسرے پر دوسرا حکم لگائے گا۔

کبھی مفتی کے پاس ایسا سوال بھی آسکتا ہے جو مجمل ہو مگر اس کے اجمال میں متعدد انواع ہوں چنانچہ مفتی کا ذہن کسی مخصوص نوع کی طرف جا سکتا ہے اور کسی دوسری نوع سے اس کا ذہن غافل بھی رہ سکتا ہے اور ممکن ہے وہی نوع مستفتی کے نزدیک زیادہ اہم اور مقصود بالذات ہو۔ چنانچہ اگر مفتی اجمال کی تفصیل جانے بغیر فتویٰ دے گا اور

ابتداء ہی میں سائل کا قصد معلوم کرنے کی کوشش نہ کرے گا تو جواب تحریر کرنے میں کسی ایسی صورت کو اختیار کر سکتا ہے جو صواب سے دور تر ہو۔

اس سے بھی بڑھ کر ایک صورت مفتی کو پیش آسکتی ہے اور وہ یہ کہ مفتی کے سامنے ایک ایسا سوال آئے جو اصلاً باطل ہو مگر خوبصورت الفاظ اور شگفتہ تحریر کے لبادے میں پیش کیا گیا ہو (۲۹)

اور اگر مفتی اس مکر و فریب کی طرف متوجہ نہ ہو جو اس میں ملفوف ہے اور جواب دینے میں جلدی کرے تو وہ محذورات میں جا پڑے گا۔

ایسے ہی موقع کی مناسبت سے القرافی نے کہا کہ مفتی کو بہت چوکنا رہنا چاہیئے کیونکر بسا اوقات باطل کو حق کے انداز میں بیان کیا جاتا ہے مگر اس سے اصلاً مقصود باطل ہوتا ہے (۳۰)

مفتی ہوشیار باش!

مفتی کی زندگی میں بعض مواقع ایسے بھی آتے ہیں جہاں اس کے پھسل جانے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا مفتی کو ایسی پھسلن (SLIPPING) سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔ مثلاً اگر کسی مسئلہ میں دو قول ہیں۔ ایک قول تخفیف (نرمی) کا اور دوسرا تشدید (سختی) کا تو مفتی کو شدت کے قول پر فتویٰ نہ دینا چاہیئے اسی طرح عوام کو تشدید کے قول پر اور خواص کو تخفیف کے قول پر فتویٰ دینا بھی درست نہیں جبکہ اس کے پاس ایسا کرنے کا کوئی شرعی جواز بھی نہ ہو (۳۱) کیونکہ ایسا کرنا ایک طرح کا فسق ہے پھر دین میں خیانت بھی ہے اور مسلمانوں سے دھوکہ بھی۔ (۳۲)

اسی طرح مفتی کو باطل شبہات کی بنا پر اپنی فاسد اغراض کے پیش نظر فتویٰ نہ دینا چاہیئے اور نہ ہی ذاتی منفعت کی خاطر حرام و مکروہ قسم کے حیلے بہانوں سے تخفیف کرنی چاہیئے۔

اسی طرح اسے کسی ایسے شخص کو مشکل اور تنگی میں نہ ڈالنا چاہیئے جس سے اسے کچھ نقصان پہنچا ہو گویا مفتی کو یوں اپنے منصب سے گر کر فتویٰ نہ دینا چاہیئے ہاں مگر جو اپنے دین و ایمان کو اتنا ہی حقیر و کمتر جانے تو وہ اس قسم کی حرکت کر گذرے گا۔ مگر اس کے بعد فتویٰ دینے کا مطلقاً مجاز نہ ہوگا۔ (۳۳)

اگر کسی ایک مسئلہ میں متعدد اقوال ہوں اور مفتی میں ان اقوال میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کی استعداد نہ ہو تو اسے یونہی اندازے سے فتویٰ دینے کا حق نہیں کہ وہ جسے چاہے جس قول کے مطابق فتویٰ دے ڈالے، کیونکہ اسے شرعاً یہ حق نہیں کہ وہ اپنی منفعت اور ذاتی پسند ناپسند کو مختلف اقوال میں معیار ترجیح ٹھہرالے اور اپنے پسندیدہ افراد یا دوست احباب کو تو اس قول کے مطابق فتویٰ دے جس سے اس کی غرض پوری ہو جائے اور دیگر لوگوں یا مخالفین کو اس کے برعکس قول کے مطابق

قاضی ابو الولید الباجی اپنے دور کے ایک مفتی (جو کہ اپنی منشاء و مرضی کے مطابق فتویٰ دیا کرتا تھا) کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "اہل اسلام میں اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ اس پر اجماع ہے کہ اس طرح فتویٰ دینا جائز نہیں" کیونکہ یہ تو شریعت سے مذاق ہوگا اور اس پر اصرار کرنا یا قائم رہنا بدتر فسق اور اکبر الکبائر گناہ ہے۔ (۳۴) ہاں اگر مفتی کسی شرعی مصلحت کی بناء پر سائل کو ایسا فتویٰ دے جس میں شدت ہو اور اس کے پاس اس کی تاویل بھی ہو تو تادیب و تنبیہ کے اعتبار سے جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان سے کسی نے قاتل کی توبہ کے قبول ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ قاتل کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ جبکہ ایک اور شخص نے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا ہاں اس کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ پھر آپ نے اپنے

دونوں اقوال پر مبنی دو مختلف و متعارض جوابات کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔ پہلا شخص جسے میں نے کہا کہ قاتل کی توبہ قبول نہیں ہوتی اس کی آنکھوں سے ارادۂ قتل ٹپک رہا تھا سو میں نے اسے قتل سے باز رکھنے کی غرض سے یہ کہا جبکہ دوسرا قتل کرنے کے بعد نادم ہو کر مسئلہ دریافت کرنے آیا تھا تو میں نے اسے اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں کیا۔ (۳۵)

مفتی کو چاہیئے کہ جب اس کے اخلاق میں تبدیلی اور مزاج میں حد اعتدال سے تجاوز آجائے جیسا کہ گھریلو معاملات و تفکرات کی بناء پر ہونا ممکن ہے تو وہ ایسے حالات میں فتویٰ نہ دیا کرے ہاں اگر وہ خارجی عناصر کو اپنے اوپر اثر انداز نہ ہونے دے تو ایسی صورت میں اس کے فتویٰ دیتے رہنے میں کوئی حرج نہیں۔ (۳۶)

مفتی کو چاہیئے کہ وہ منصبِ افتاء سنبھالنے سے پہلے اس بات کا اطمینان کرلے کہ اس کے پاس اپنی ضروریاتِ زندگی کے لئے بقدرِ کفالت سامانِ بود و باش ہے! بصورتِ دیگر لوگ اس کی معاشی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے اور مال و دولت کا لالچ دے کر اسے اپنے دباؤ میں لے آئیں گے چنانچہ وہ لوگوں کے لیے تر نوالہ ثابت ہوگا۔ اور اس مال کا خواہش مند رہے گا جو اوروں کے پاس ہے

مفتی کو چاہیئے کہ وہ اپنے گذر بسر کا اہتمام دیگر جائز ذرائع آمدنی سے کرے اور فتویٰ کا کام محض فی سبیل اللہ انجام دے۔ مفتی کو چاہیئے کہ اگر اس کے پاس بقدرِ کفایت سامانِ زیست نہ ہو تو حاکم سے وظیفہ قبول کرے۔ اور حاکم کو چاہیئے کہ وہ مفتی کا وظیفہ مقرر کرے تاکہ اس سے اس کی ذاتی ضروریات پوری ہوسکیں۔ (۳۷) اور وہ اس وظیفہ کے عوض افتاء کی خدمات انجام دے سکے جو کہ فرض کفایہ بھی ہے اور مصالح عامہ میں سے ایک اہم ضرورت بھی۔

حافظ ابوبکر خطیب بغدادی نے اپنی کتاب الفقیہ والمتفقہ میں لکھا ہے کہ حاکم کو چاہیئے کہ وہ تدریس فقہ اور منصب افتاء پر فائز اشخاص کے وظیفہ کا انتظام کرے تاکہ انہیں اپنی ضروریات کے لئے کوئی کاروبار نہ کرنا پڑے۔ مفتی کا وظیفہ بیت المال سے مقرر کیا جانا چاہیئے۔" پھر خطیب بغدادی نے اپنی سند سے ایک روایت نقل کی ہے، کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس قسم کی خدمت انجام دینے والے ہر شخص کو سو (۱۰۰) دینار سالانہ وظیفہ دیا کرتے تھے۔ (۳۸)

مفتی سے فتویٰ حاصل کرنے کے مقاصد!

جب کوئی سائل یا مستفتی کسی مفتی سے کوئی سوال کرتا ہے تو اس کا یہ سوال تین حالتوں میں سے کسی ایک حالت سے خالی نہیں ہوتا۔

۱۔ سوال کا مقصد کسی مسئلہ میں واقعتاً اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم معلوم کرنا ہوتا ہے۔

۲۔ یہ جاننے کی کوشش کرنا کہ مفتی صاحب کا مسلک کیا ہے اور وہ کس امام کے مقلد یا پیروکار ہیں۔

۳۔ یہ معلوم کرنا کہ مفتی صاحب صورت مسئولہ میں اپنے امام مذہب کے قول کو ترجیح دیتے ہیں یا اپنی رائے کو۔

پہلی صورت میں مفتی کی ذمہ داری یہ ہے کہ اگر وہ جانتا ہو اور اسے یقین ہو کہ جو کچھ وہ جواب دے رہا ہے درست ہے۔ تو وہ سائل یا مستفتی کو اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے جواب دے، کہ اس کے بغیر اس کے پاس چارہ کار نہیں۔

دوسری صورت میں مفتی کی ذمہ داری یہ ہے کہ مفتی اپنے اس امام مذہب کے قول کے مطابق فتویٰ دے جس کا کہ وہ مقلد یا پیروکار ہے اور اس بات کا اطمینان کرے کہ جو قول وہ نقل

کررہا ہے وہ واقعی اس امام کا ہے بھی یا نہیں۔ اور یہ کہ آیا وہ قول اس امام کا واقعی مذہب مشہور ہے یا نہیں۔

تیسری صورت میں مفتی کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ سائل کو ایسا جواب دے جو پوری محنت اور کوشش کے ساتھ کی گئی تحقیق کے بعد اس کے نزدیک راجح قرار پائے اور جس کے بارے میں اسے اطمینان ہو جائے کہ یہی صحیح ترین جواب ہے۔ اب اس صورت میں یہ سائل پر لازم نہیں آئے گا کہ اس نے محض قولِ مفتی پر اعتماد کیا بلکہ اسے فتویٰ پر عمل کرنے میں خوشی محسوس ہوگی کہ یہ خلاصۂ تحقیق ہے۔ (۳۹)

مفتی کی بصیرت کا تقاضا یہ ہے کہ جب اس سے کوئی مستفتی کسی چیز کے حلال وحرام ہونے کے بارے میں سوال کرے تو مفتی کو چاہیئے کہ اگر وہ حرمت کا فتویٰ دے رہا ہو تو اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی بتا دے کہ اس کے مقابل حلال اور جائز امر کیا ہے۔ تاکہ جب سائل پر ممنوع و ناجائز کا دروازہ بند ہو، ساتھ ہی جائز اور مباح کا دروازہ کھل جائے۔ ابن القیم کہتے ہیں " اس طرح کا عمل کوئی زیرک اور شفیق عالم ہی کر سکتا ہے۔ جسے منجانب اللہ توفیق نصیب ہو، اللہ اس کے نصیحت کرنے اور اس کی نصیحت پر عمل پیرا ہونے والے کو اجر عطا فرمائے"۔ علماء میں اس طرح کا عالم ایک طبیب حاذق کی مانند ہے کہ جو مریض کو ایسی اشیاء کے استعمال سے روکتا ہے جو نقصان دہ ہوں اور ایسی اشیاء کے استعمال کی ہدایت دیتا ہے جو مفید ہوں۔ (۴۰)

ابوالبقاء الحسینی کہتے ہیں کہ جہاں تک علم وارشاد کا تعلق ہے تو معلم کا فرض ہے کہ وہ اس معاملہ میں ایک طبیب کی مانند ہو جو مریض کو شفایاب کرنے کے سلسلہ میں سرتوڑ کوشش کرتا ہے اور ایسا نسخہ اور علاج تجویز کرتا ہے جو مرض کے مطابق ہو نہ کہ مریض کے بتانے کے موافق۔ (۴۱)

آدابِ سوال وسائل: مستفتی کو ایسی حالت میں مفتی سے سوال نہ کرنا چاہیئے

جب مفتی پریشان ہو۔ یا کسی کام کو جانے کے لئے تیار ہو۔ یا کسی سوچ اور خیال میں گم ہو کیونکہ ایسی صورت میں وہ سائل کے سوال پر پوری توجہ نہ دے پائے گا اور نہ ہی صحیح طور پر جواب دے سکے گا۔ (۴۲) (جاری)

حواشی

(۱۵) القرافی ۔ الاحکام فی التمییز بین الفتاویٰ والاحکام ص ۲۶۶

(۱۶) الحصکفی، در المختار، ج ۴ ص ۴۸

(۱۷) ابن قیم، اعلام الموقعین ج ۴ ص ۱۹۱

(۱۸) النووی ۔ المجموع ۔ ج ۱ ص ۴۲

(۱۹) ابن قیم ۔ اعلام الموقعین ۔ ج ۴ ۔ ص ۱۹۲

(۲۰) ایضاً ۔ ج ۴ ص ۱۷۴

(۲۱) ایضاً ۔ ج ۴ ص ۱۹۱ والموافقات للشاطبی ج ۴ ص ۱۷۲

(۲۲) ابراہیم اللقانی ۔ اصول الفتویٰ ص ۸۷ (مخطوطہ)

(۲۳) ابن القیم ۔ اعلام الموقعین ج ۴ ص ۱۵۰

(۲۴) القرافی ۔ الاحکام فی التمییز بین الفتاویٰ والاحکام، ص ۲۴۱

(۲۵) ایضاً ص ۲۵۲

(۲۶) ایضاً ص ۲۴۹

(۲۷) ابن القیم ۔ اعلام الموقعین ج ۴ ص ۱۶۳

(۲۸) القرافی ۔ الاحکام ص ۲۵۹

(۲۹) ایضاً ۔ جلد ۴ ص ۱۶۳، ۱۶۷، ۱۶۹ ۔

(۳۰) ایضاً ۔ ص ۲۵۷

(۳۱) النووی ۔ المجموع ۔ ج ۱ ص ۴۱

(۳۲) القرافی، الاحکام، ص ۲۶۹؟

(۳۳) ابن فرحون ۔ التبصرہ، ج ۱ ص ۵۱ نیز ابن القیم ۔ اعلام الموقعین ج ۴ ص ۱۹۳ ۔ النووی ۔ المجموع، ج ۱ ص ۴۶ ۔ المستولی ۔ ج ۱ ص ۲۴

(۳۴) ابن القیم ۔ اعلام الموقعین ۔ ج ۴ ص ۱۸۳ ۔ ۱۸۴ ۔

(۳۵) النووی ۔ المجموع، ج ۱ ص ۵۰ بحوالہ الصمیری

(۳۶) النووی ۔ المجموع ۔ ج ۱ ص ۴۶ ۔ ابن القیم ۔ اعلام الموقعین ج ۴ ص ۱۹۸ ۔

(۳۷) ابن القیم ۔ اعلام الموقعین ج ۴ ص ۱۷۸ نیز اللقانی اصول الفتوی قلمی نسخہ ۸۴

(۳۸) النووی ۔ المجموع ۔ ج ۱ ص ۴۶ ۔

(۳۹) ابن القیم ۔ اعلام الموقعین ج ۴ ص ۱۵۳

(۴۰) ایضاً ۔ ص ۱۹۸

(۴۱) ابو البقاء، کلیات ۔ ص ۳۶۸ ۔ ۳۶۹ ۔

(۴۲) النووی، المجموع ۔ ج ۱ ص ۵۷ ۔

یو پی تعلیمی نصاب کی چند اہم کتب

تاریخ ملت جلد اول (نبی عربی)	قاضی زین العابدین : غیر مجلد ۲۵ روپے مجلد ۳۵ روپے
تاریخ ملت جلد دوم (خلافت راشدہ)	" : غیر مجلد ۵ روپے مجلد ۶ "
تاریخ ملت جلد سوم (خلافت بنی امیہ)	: غیر مجلد ۵ " مجلد ۶ "
تاریخ ملت جلد ہشتم (خلافت عثمانیہ)	مفتی انتظام اللہ شہابی : غیر مجلد ۵۰ روپے